

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم

عصر حاضر کے

سیاسی نظریئے

اقاء

اسلام

لکھنؤ، جمہوریت اور دیگر نظریات کے ادیب

حضرت علامہ مرحوم کا یہ نادر مقالہ آج سے تقریباً ۲۵ برس قبل شائع ہوا تھا جس میں موجودہ دور کے سیاسی نظریوں پر اسلام کی روشنی میں بڑی معتقانہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ نظریاتی انتشار کے اس سنگم پر دور میں اس کا مطالعہ قارئین الحق کے لئے مفید ہوگا۔
(تماری سعید الرحمن راولپنڈی صدر)



علم کلام وہ فن ہے جس میں اصول دین کی حمایت کی جائے اور معترضین ان پر شکوک و شبہات وارد کریں، ان کو دفع کیا جائے، لیکن کسی چیز کی حمایت و حفاظت ہر زمانہ میں ایک ہی طور سے نہیں کی جاسکتی، کیونکہ ہر زمانہ کے خیالات یکساں نہیں ہوتے۔ اس تغیر آباد عالم میں کسی چیز کو قرار نہیں، ہر وقت خیالات بدلتے رہتے ہیں جس وجہ سے انسان کو معیار بدلتا رہتا ہے، چیزوں کی قدر و قیمت کا معیار بدلتا رہتا ہے، لیکن دین جو حق مطلق اور صداقت دائمی ہے، وہ ناقابل تغیر ہے، توحید، انبیاء، عالم غیب احکام الہی، آغاز عالم سے اُن کے حقائق یکساں ہیں اور یکساں رہیں گے، اسی طرح معاملات کی صداقت اور اخلاق کی جہارت کا معیار ہمیشہ سے ایک ہے اور ایک ہی رہے گا، نقلِ ناحق اور دوسرے کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر تصرف میں لانا، جس کے انوار چوری، ڈاکہ، غضب، خیانت، رشوت وغیرہ ہیں، ہمیشہ ممنوع رہے ہیں اور رہیں گے، جھوٹ کا بُرا اور سچ کا اچھا ہونا نہ کبھی بدلا ہے، اور نہ کبھی بدلے گا۔

اوپر کی سطور کا خلاصہ یہ ہے کہ دین ایک غیر متبدل حقیقت ہے، اور انسانی خیالات

سیلاب ہمیشہ پڑھتا اترتا رہتا ہے، ایک ہی چیز جو کبھی اعتراض کا دروہتی، دوسرے وقت میں مستحسن سمجھی جانے لگتی ہے۔ اور جو کبھی مستحسن تھی وہ دوسرے وقت میں قابل اعتراض بن جاتی ہے۔

غرض ان غیر متغیر دینی حقائق اور ان تغیر پذیر انسانی خیالات میں ایک کشاکش ہی قائم رہتی ہے۔

علم کلام کا کام یہ ہے کہ اس کشاکش کو دور کرے لیکن اس کشاکش کو دور کرنے کا طریقہ بھی یکساں نہیں رہ سکتا، کیونکہ زمانہ کے خیالات اور ہر گوشہ کرنے والے کی دماغی ساخت، ذہنی فحلیت اور طریق فکر یکساں نہیں ہوتا، اس لئے زمانہ کے تغیر اور ہر صاحب فکر کے طریق فکر کے اختلافات سے اس کشاکش اور تضادم کے رفع کرنے کا طریق بھی بدلتا رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ کا علم کلام دوسرے زمانہ کے علم کلام سے الگ رہا گیا ہے۔ کیونکہ حلوں کی نوعیت کے بدلنے سے ان کی مدافعت کی نوعیت بھی بدلتی ضرور ہے۔

کبھی آسمان کے خرق والیتام، جزر و لایتجزئی، استطاعت مع الفعل وقبل الفعل، اور الواحد الیحد عنہ لا الواحد کے مسائل نفیاً یا اثباتاً علم کلام کے اجزاء تھے، کبھی معجزات کا صدور بنوٹ کے ثبوت کا معیار تھا، کبھی قرآن پاک کی نصاحت و بلاغت اسکی حقانیت کا آئینہ تھی، کبھی ان صدائقوں کے ثبوت کے دوسرے معیار پیدا ہو گئے، چنانچہ کبھی خرق عادت کی کثرت کسی دین کے ثبوت کا ذریعہ تھی اور کبھی خرق عادت کی سرے سے نفی دین کی صداقت کا معیار بنی، غرض بھی وہی یونانی فلسفیانہ خیالات کی بینک سے دین کو دکھا گیا، کبھی اشرافی صوفیانہ نظریہ کی کسوٹی پر اس کو کٹایا، کبھی منافع دنیاوی اور شرابہ عقلی کی ترازو سے ان کو تولایا، اور آج یورپ کے انکار و خیالات سے ان کو جانچا جا رہا ہے۔ اسی جدید عہد کے متکلمین کی کوششوں پر ایک نظر ڈالئے جو سید احمد خاں اور مفتی عہدہ کے زمانہ سے آج کے دن تک میدان عمل میں آئے، تو معلوم ہوگا کہ ہر دفعہ کا علم کلام دوسرے دفعہ سے الگ ہوتا رہا، سید صاحب اور مفتی عہدہ کا عہد وہ تھا، جب سائنس کی ترقیوں نے ادیت کا زور پیدا کیا اور فطرت اور نیچر اور قواعد طبعی اور نیچرل لازیز صداقت کا معیار بن گئے، معجزات کی نفی کی گئی یعنی ان کی تاویل کی گئی، جنت و دوزخ اور عقائد ما بعد الطبعی کی باطنی تشریح کی گئی اور اسلام کا نام فطرۃ الہیہ معنوں میں رکھا گیا، جن معنوں میں نیچر کا لفظ بولا جاتا ہے۔

اس کے بعد وہ زمانہ آیا جب فطرت اور نیچر کی بجائے تمدن، تہذیب، طرز سلطنت اور رفاہ عام کے طور و طریق ایک دین کی صداقت اور معیاری ہونے کے دلائل ٹھہرائے گئے، یہ وہی زمانہ ہے جب الفاروق لکھی گئی، انجریہ لکھا گیا، متوق الذمین ترتیب پائے، اسلامی شفا خانے

اور اسلامی کتب خانے وغیرہ مضامین اشرفیوں سے توڑے گئے۔
اب گذشتہ جنگ عظیم نے جب کروٹ لی، تو خیالات کی دنیا میں بھی تزلزل آیا، سیاسیات کے رنگ بدے اور انسانی حقوق کے نئے نقشے ترتیب پائے، پھر سوشلزم کی کامیاب مدد سے جب روس کے تخت پر قبضہ کیا، تو اقتصادیات کے نئے عقائد لوگوں میں پھیلے، اور دینی حقائق کے معیار میں بھی ایک نئی تبدیلی آگئی۔

صرف پچھلے ساٹھ ستر برس کے سیاسی تغیرات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ منظمین اسلام نے کیا کیا پہلو بدے، سرسید تک کی تحریروں میں شخصیت پرستی کا زور تھا، اور شخصی سلطنت ہی خیر و برکت کا موجب رہی، سید جمال الدین افغانی نے لکھا، کہ اسلام کی خیر شخصیت عادلہ میں ہے، اور پچھلے زمانہ کے ایک بڑے عالم باطل کی تحریروں میں شخصی بادشاہی کو عین منہاتے اسلام ہونے کی تلقین بکثرت ملتی ہیں۔

لیکن ان دماغوں نے جو ابتدائے مہد جدید میں بیدار ہوئے، دستوری حکومت کو منشاء اسلام قرار دیا، اور پھر جمہوریت کا دور آیا جس میں اسلامی حکومت کو جمہوریہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی، ابھی اسی جنگ میں جب جرمنی میں ہٹلر اور اٹلی میں موسولینی کا عروج تھا، اور نظاہر یہ نظر آتا تھا کہ فرسزم اس محرکہ میں کامیاب ہو کر نکلے گا، طابع میں یہ میلان پیدا ہو گیا، کہ حکومت اسلامیہ کو ڈکٹیٹر شپ اور فرسزم کے رنگ میں پیش کیا جائے، اب فرسزم اور ڈکٹیٹر شپ کی ناکامی کے بعد پھر سوشلزم کا زور ابھر نے لگا ہے، اور اب موجودہ وقت وہ ہے، جس کا علم کلام اسلام اور سوشلزم کے درمیان توفیق اور تطبیق ہے، بلکہ یہ ہے کہ سوشلزم کے مقابلہ میں اسلامی اصول سیاست و اقتصاد کی برتری ثابت کی جائے۔

تمدیثِ نعمت کے طور پر عرض ہے کہ آج تو اس موضوع پر لکھنے والے بہت سے اہل قلم ہیں، لیکن ہندوستان میں سب سے پہلے راقم الحروف کو اسکی توفیق ملی، غالباً ۱۹۱۰ء میں اسلام اور اشتراکیت کے عنوان سے ایک مفصل مضمون النودہ میں سپرد قلم کیا، پھر اسی مضمون کو اہلالِ کلکتہ کی ادارت میں شمول کے بعد ۱۹۱۲ء میں ”احریۃ فی الاسلام“ کے عنوان سے از سر نو لکھا، جو اہلال کی کئی نمبروں میں شائع ہوا، اسوقت تک اشتراکیت صرف تخیل اور نظریہ تھا، اس نے کوئی عملی صورت اختیار نہیں کی تھی، اسکی عملی صورت تو ۱۹۱۷ء سے ظاہر ہوئی، جب جنگ عظیم کے خاتمہ کے قریب روس نے بالٹوئیک انقلاب کو کامیاب کیا۔

بدی بالٹوئیکوں کی کامیابی نے بہت سی قوموں کے افکار میں ہیجان پیدا کر دیا، اور خصوصیت

کے ساتھ محکوم قوموں کے نوجوانوں کے دل و دماغ میں ایسی شرانگیزی پیدا کر دی ہے کہ سوشلزم ان کا مذہب اور کارکن اور انجیل کی تصانیف ان کا دینی صحیفہ بن گیا ہے، اور ان کے اندر اسکی اشاعت اور کامیابی کے لئے وہی جدوجہد اور ایثار و قربانی کی روح پیدا کر دی ہے، جو کبھی ”مذہبی مجنوںوں“ کا خاصہ تھا۔ سوشلزم کی تحریک اگر صرف سیاسی و اقتصادی اصلاح طلبی کی چیز ہوتی، تو مسلمانوں کو چنڈال اس سے اختلاف نہ ہوتا، مگر اہل نظر

جانتے ہیں کہ اس کی تہ میں لادینی دعوت کام کر رہی ہے، وہ ”قیصر“ ”خدا“ دونوں کو ایک ساتھ تخت اور عرش سے اتارنا اور قیصر کے محل اور خدا تعالیٰ کے معبد دونوں کو ڈھانا چاہتی ہے۔ اور بقول اقبال یہ وہ دین ہے، جس کا کلمہ لا الہ الا اللہ ہے، اور اسلام کا کلمہ لا الہ الا اللہ اور لا ملک الا اللہ ہے، اس سے معلوم ہو گا کہ سوشلزم ایک تخریبی تحریک اور اسلام ایک تعمیری دعوت ہے۔ لیکن ایک حیثیت سے یہ مسئلہ کلام کے علمی و نظری تگنائے سے

اور
سوشلزم کی تحریک اگر صرف سیاسی و اقتصادی اصلاح طلبی کی چیز ہوتی، تو مسلمانوں کو چنڈال اس سے اختلاف نہ ہوتا، مگر اہل نظر جانتے ہیں کہ اس کی تہ میں لادینی دعوت کام کر رہی ہے۔ وہ ”قیصر“ اور ”خدا“ دونوں کو ایک ساتھ تخت اور عرش سے اتارنا اور قیصر کے محل اور خدا تعالیٰ کے معبد دونوں کو برابر ڈھانا چاہتی ہے۔

نکل کر علمی زندگی

کا معاملہ بن گیا ہے۔

یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے، مگر حقیقت ہے کہ اسلامی دعوت کی وسعت جو انسانی زندگی کے ہر گوشہ تک وسیع تھی، وہ گھٹتے گھٹتے صرف چند عقائد اور چند عبادات تک محدود ہو کر رہ گئی، بنی امیہ نے اپنے غل سے سیاست کو دین سے خارج کر دیا، اور عباسیہ نے تہذیب و تمدن و آداب کو بھی دین کی ہمہ گیری سے الگ کر لیا، اس کے بعد ایرانی و ترکی و تاتاری سلاطین نے قرآن کے ساتھ آئین نوشیروانی اور توردہ چنگیزی کا اضافہ کیا، وہ دین تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھتے تھے، مگر ان کی سیاست اور خراج و باج کے آئین قیصر و کسری اور چنگیز و ہلاکو کے دستور و قواعد پر مبنی تھے، اس لئے یہ ہماری پچھلی سلطنتیں مسلمانوں کی تو ضرور تھیں، مگر اسلام کی نہ تھیں، یعنی ان کے فرمانروا مسلمان تھے، مگر ان کی حکومت کا قانون اسلامی نہ تھا، جس طرح آج انگریزی عہد میں بھی محمد لا جاری ہونے سے کوئی سلطنت اسلامی نہیں ہو سکتی تھی، تو کل مرت نکاح و طلاق و وقف وغیرہ قوانین کے اجراء سے سلطنت اسلامی نہیں ہو سکتی، الایہ کہ اس کے استعمال میں ہم ایک نوع کا مجاز اور تساہل برتتے ہیں۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ مسلمانوں نے اس اسلامی حقیقت کی تبدیلی کو آسانی سے مان، جنگ، جمل، جنگ صفین، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حجاج کی لڑائی، معرکہ کربلا، واقعہ حرہ، جس میں اہل مدینہ نے بنو امیہ

کے خلاف لڑائی لڑی۔ واقعہ قراء جس میں علمائے عراق نے بنو امیہ کے خلاف معرکہ آزادی کی۔ واقعہ نفس زکیہ جس میں سادات و علمائے حجاز نے مل کر عباسیہ کے خلاف پُر زور بغاوت کی، یہ اور اس کے سوا دوسرے واقعات نے جن میں اصلاح و انقلاب کے علمبرداروں کو کامیابی نہیں ہوئی، تو نیریزی اور فتنوں کا دروازہ کھول دیا۔ اس لئے پچھلے متکلمین اور فقہاء نے یہ اصول بنایا کہ ہر اصلاح طلبی میں یہ دیکھنا چاہیے کہ فتنوں کے لئے دروازے تو نہیں کھلتے، اور حالات بد سے بدتر تو نہیں ہو جائیں گے۔ ان اصلاح طلبوں اور انقلابیوں کی ناکامی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ انقلاب سے پہلے انہوں نے انقلاب کی دعوت کا دور اپنے اوپر نہیں گزارا، اور زمین میں ہل چلانے سے پہلے زمین میں تخم ریزی شروع کر دی، آخر اسی زمانہ میں ابومسلم خراسانی کی تحریک جس سے عباسیہ حکومت کا آغاز ہوا، اور اسماعیلیوں کی تحریک جس سے دولتِ فاطمیہ پیدا ہوئی، اور محمد بن تومرت کی تحریک جس سے موحدین مراکش کی سلطنت قائم ہوئی، کس طرح دعوت کی راہ سے بڑھی اور پھیلی اور چھوٹی اور مدتوں قائم رہی، زمانہ کے انقلابات نے آج بہت سے امکانات پیدا کر دئے ہیں، ہر جگہ شخصی سلطنتوں کے تخت خالی ہو گئے، دستوری اور جمہوری اور عوامی سلطنتوں کے آئین پر حکومتیں قائم ہو رہی ہیں، پھر کوئی وجہ نہیں کہ اسلامی اصول سلطنت قائم کیوں نہیں ہو سکتی، اس راہ کے جو موانع ہیں وہ حسب ذیل ہیں :-

۱۔ مسلمان ملکوں کا براہِ حقہ نامسلمانوں کے قبضہ میں ہے، اس لئے ان مسلط قوتوں سے ٹکرائے بغیر اس میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔

۲۔ مسلمان ملکوں میں جو آئندہ بھی ہیں وہ نامسلمانوں کی سیاست اور مادی و ذہنی برتری کے سامنے عاجز و درماندہ ہیں۔ یعنی ان کی ذہنی تلامی میں مبتلا ہیں، وہ انہی کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اور انہی کے کانوں سے سنتے ہیں، وہ اسی کو خیر سمجھتے ہیں جس کو یورپ خیر سمجھتا ہے۔ اور اسی کو شر جانتے ہیں جس کو یورپ شر کہتا ہے۔

۳۔ اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلامی سیاست و حکومت کے آئین و اصول و دستور سے خود مسلمان واقف نہیں، صدیوں کی ظلمت و جہالت نے اسلام کے نور پر پردے ڈال دئے ہیں۔ اور قیصری و کسرابی و خاقانی دستور و آئین اس طرح مخفی ہو گیا ہے کہ آج ہم کو اس قیصریت و کسرابیت میں جس کو مٹانے کو اسلام آیا تھا۔ اور اسلام میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ اسلامی حکومت و سیاست کے مولعین میں بڑا نام فاضل و مادی و شافعی کا ہے، وہاں بھی اصل حقیقت مستور ہے، ایک دوسرے جھنجھلی عالم کی کتاب بھی چھپ گئی ہے، اس میں بھی حقیقت کا پتہ نہیں، ابن خلدون کے مقدمہ میں بہت کچھ ہے

گرمائی کی داستان سرائی نے حال مستقبل پر پردہ ڈال دیا ہے۔
 حق یہ ہے کہ اس باب میں ہندوستان کے مصلح اعظم شاہ ولی اللہ صاحب کو اولیت کا شرف
 اصل ہے۔ ازالہ الخفاء عن تاریخ الخفاء صرف علم کلام اور مناظرہ کی کتاب نہیں ہے بلکہ اسلامی اصولی سیاست
 خلافت پر برہمی دقت اور محققانہ کتاب ہے، لیکن مطالب دوسرے مضامین کے ساتھ متفرق اور بکھرے
 رکھے ہیں، مولانا اسماعیل شہید پہلے شخص ہیں جنہوں نے منصب امامت میں اسلامی اور غیر اسلامی اصول وائین
 حکومت کو خالص کر کے دیکھا، اور مسلمانوں کی حکومتوں اور سلطنتوں کے مدارج اور مراتب مقرر کئے۔

اب جب مسلمانوں کی آنکھیں کھلی ہیں تو نظر آتا ہے کہ یورپ کے پیدا کردہ اقلیت اور اکثریت
 کے مسئلہ نے ایسی اہمیت پیدا کر لی ہے، اور وہ دماغوں پر اس طرح مسلط ہے کہ ان ملکوں میں جہاں
 مسلمان اقلیت میں ہیں، اپنے لئے کسی اصول وائین کا قیام اُن کا سر تا سر محال نظر آتا ہے، اور جہاں وہ
 اکثریت میں ہیں، یورپ کے پیدا کردہ مسئلہ وطنیت نے اُن کو از خود فراموش بنا رکھا ہے، اور مسلمان
 کی زندگی ان دونوں باطل نظریوں اور عقیدوں کے نذر ہو رہی ہے۔ اور ہندوستان کی وہ اسلامی تحریک
 جوان دونوں سے خود وارانہ علیحدگی چاہ رہی ہے، وہ ابھی تک ایجابی کی بجائے سلبی قوت ہے۔ اور
 دائمی اور پائیدار زندگی ایجابی و تعمیری قوت کے اندر مضمر ہے۔ بہر حال تو نعمات قائم ہیں، اصلاح کی
 کوششیں جاری رہیں تو ممکن ہے کہ دوسروں کی نقالی کی بجائے خود اپنے اسلاف اولین کے کارناموں
 پر نظر پڑے اور یونانی و رومانی قانون و طریق عدل کی جگہ کتاب و سنت اور قانون اسلام کی اتباع کا شوق
 پیدا ہو لیکن اس کے لئے اصلاحی جدوجہد اور اسلامی سیاسیات پر صالح طریقہ کرکھ کر پھیلانے کی ضرورت ہے
 اس موقع پر ایک واضح گفایت بات کہنی ضرور ہے، بعض اہل قلم اس بات کی کوشش کر رہے ہیں۔
 کہ موجودہ جمہوریت کے اصول وائین کو ایک ایک کر کے لیں اور اس کا سراغ اسلام میں لگائیں اور اسلامی
 شریعت کی دلیلوں سے ثابت کریں۔

دوسری طرف یہ کوشش جاری ہے کہ خلافت راشدہ کے انتخابی و انتظامی طریقوں کو ڈھونڈ
 ڈھونڈ نکالیں اور ان کو جامد اصول کی طرح تسلیم کر لیں، جیسا کہ ہمارے متکلمین اور فقہائے سیاست نے
 خلفاء اربعہ اور امیر معاویہ کے طریق انتخاب اور تسلط و استیلا کو ہمیشہ کے لئے دائمی اصول قرار دے
 لیا ہے حالانکہ پیش آجانے والے واقعات کسی مذہب کے ایسے مقررہ اصول نہیں بن سکتے جن میں کمی بیشی
 نہیں ہو سکتی جس طرح جہاد فرض ہے، اور اس کے آلات جو عہد خلافت میں رائج تھے، حملہ اور دفاع کے
 آلات اُن میں محدود نہیں، زمانہ کے حالات کے ساتھ ان میں ترقی اور تغیر ممکن ہے۔

انتخاب کے نئے آئین بن سکتے ہیں، قانون سازی اور اختلاف آراء کے موقع پر فیصلہ کے طریقوں میں نئی-انہیں نکالی جاسکتی ہیں۔ اجماع اور قیاس کے اصولوں کے بہت سے نئے فیصلوں کی گنجائش ہے مگر ضرورت ہے کہ یہ سب کچھ کتاب و سنت، قضایائے خلفائے راشدین اور مسلمات فقہائے اسلام پر اسی طرح مبنی ہوں، جس طرح یورپ کے ہر قانون کی بنیاد رومن لا کے اصولوں پر ہے۔

ہم نے جہاں تک اسلام کے سیاسی اصولوں کا جو کتاب و سنت میں پھیلے ہیں مطالعہ کیا ہے یہ چیز نظر آتی ہے کہ چند بنیادی اصول ایسے ہیں جو اسلام میں اصول کی حیثیت رکھتے ہیں جن سے انحراف ہی نہیں، مثلاً یہ کہ :

۱۔ خلیفہ کے انتخاب میں کہ وہ بہتر سے بہتر ہو مگر کاوش ممکن ہو کی جائے، پھر انتخاب کے بعد اس کے احکام کی جو کتاب و سنت اور مصالح مسلمین کے خلاف نہ ہوں اس کا حکم واجب الاتباع ہے۔

۲۔ امور ہمہ میں جو مخصوص نہ ہوں اہل حل و عقد سے شوریٰ کیا جائے۔

۳۔ بیت المال خلیفہ کی ذاتی ملک نہیں، وہ صرف مصالح مسلمین کے لئے ہے، اس میں ہر ناجائز تصرف خیانت ہے، اور بیت المال اور اس کے اصول و قواعد اسلامی سیاست اقتصاد کے نہایت ہی اہم اصول ہیں۔

۴۔ سلطنت کے نظم و نسق میں حد درجہ سادگی اور کم خرچ اختیار کی جائے۔

۵۔ عہدہ دار اور اہل منصب میں ادائے فرض کے اندر پوری امانت برتی جائے، اُن میں سے ہر فرد اپنے کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ سمجھے۔

۶۔ عہدہ داران سلطنت کے لئے مقررہ وظیفہ کے علاوہ رعایا سے کسی کام کا تحفہ نذر، اور اخذ زر قطعاً ناجائز ہے۔

۷۔ رعایا سے شرعی ٹیکس کے علاوہ دوسرے قسم کے غیر شرعی ٹیکس نہیں لئے جاسکتے فقہ اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

۸۔ حکام پر پورا پورا عدل و انصاف فرض ہے، عدل و انصاف کی راہ میں رشوت طرفدار بے انصافی، ظلم گناہ کبیرہ ہے۔

۹۔ کاشتکار اور زمیندار کے درمیان اتنا ہی تعلق ہے، جتنا ایک مزدور یا ہمارے دار اور مالک

کے درمیان ہے، اس کے تفصیلی احکام فقہ کی کتابوں میں ہیں۔

۱۰۔ اسلامی حکومت کے اندر ہر مسلمان جو معذور نہ ہو، اس کا سپاہی ہے۔

۱۱۔ غیر مسلم رعایا کی حفاظت جہاں دہاں مذہب کے مسلمان ذمہ دار ہیں، اور ان سے مصالحت کے وقت جو شرطیں قرار پاتی ہوں ان کو پورا کرنا حکومت پر واجب ہے۔

۱۲۔ قانون اور حدود میں ہر ادنیٰ و اعلیٰ برابر ہے۔

یہ چند سرسری واقعات ہیں، تلاش سے ان میں کچھ اور اضافہ ہو سکتا ہے، ان دفعات پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اسلامی اصول سیاست ظاہری ہیئت و شکل پر زیادہ زور نہیں دیتا۔ بلکہ اس کا اصلی زور روح اور اسپرٹ پر ہے، اس اصلی روح اور اسپرٹ کی بحالی کے ساتھ اگر غیر قوموں سے نظم و نسق کے کچھ قواعد لئے جائیں، تو کچھ حرج نہیں، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق میں کھائی کھود کر حصار بنا لینے کا طریقہ اہل فارس سے حاصل کیا، آلات جنگ میں منجنیق کا استعمال اہل یمن سے عہد بنوی ہی میں مسلمانوں نے سیکھا، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حکومت کے دفاتر کا طریق ایرانیوں اور رومیوں سے اخذ کیا، زمین کی پیمائش اور بندوبست ایرانی زمینداروں کے ذریعہ سے رائج کیا گیا، ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ نظم و نسق حکومت کے دو طریقے جو اسلامی روح سیاست کے منافی نہ ہوں وہ غیر قوموں سے حاصل اور نقل کئے جاسکتے ہیں، اور آج یورپ کے ان انتظامی اصولوں اور طریقوں کو جو اسلامی اصول کے خلاف نہ ہوں، قبول کیا جاسکتا ہے، ضرورت ہے کہ ہمارے فوجی و جوان علماء جن کی طبیعتوں میں انگ ہے وہ ان مسائل پر تحقیقی مضامین لکھیں اور مسلمانوں کی نئی سیاسی زندگی کیلئے نئی راہیں کھول لیں۔

اسلامی نظام کے تحت معاشی اصلاحات کیا ہوں گی؟ اور ان سے غریبوں کو کیا فائدہ پہنچے گا؟ — مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے

ماہنامہ البلاغ کراچی

کے تازہ شمارے دسمبر میں ان سوالات کا مفصل جواب دیا ہے، پچاس سے زائد عملی تجاویز جو معاشرے کی کایا پلٹ سکتی ہیں!

قیمت فی پرچہ ۵/- سالانہ آٹھ روپے، غیر نمائک سے ایک پونڈ بذریعہ ہوائی ڈاک، دفتر پبلشرز پاکستان لاہور

البلاغ دارالعلوم کراچی ۱۲

ملفوظات

حضرت حاجی امدا اللہ صاحب
مہاجر مکی

بروایت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب خان دہلویؒ



فرمایا : ارشاد باری ہے : یَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ۔ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔ اس میں عجب کا علاج ہے یعنی انکو عبادت کر کے ناز نہیں ہوتا، دوسری جگہ ارشاد ہے : قُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ مُطَلَب یہ کہ ان میں باوجود عبادت کے پھر غرور ہے، عجب نہیں۔ ایک مسئلہ یہاں اور مستنبط ہوتا ہے وہ یہ کہ جو عمل کو سچ سمجھے گا، ثمرات کا منتظر نہ ہوگا تو اس میں اسکی بھی تعلیم ہے کہ اعمال کے ثمرات کا انتظار نہ کرو، جیسے آجکل اکثر کی یہ حالت ہے کہ دو چار روز ذکر کیا اور منتظر ہونے بجلی کے، حضرت حاجی صاحبؒ ان تجلیات کے متعلق فرماتے تھے کہ حجاب نورانی اشد میں حجاب ظلمانی سے، کیونکہ سالکین کو جو انوار نظر آتے ہیں وہ ظاہر ہے خدا تو نہیں غیر خدا ہیں۔ مگر یہ عجیب ہونے کے سبب انکی طرف توجہ کرتا ہے ان سے مرے لیتا ہے، حتیٰ کہ بعض اوقات انکو مقصود سمجھنے لگتا ہے بخلاف حجاب ظلمانی کے کہ انکی طرف ایسا التفات نہیں ہوتا اس لئے وہ اشد ہیں۔ مگر لوگ ان ثمرات مانعہ کو ہی پاس سے ہیں اور انہی کو مقصود سمجھتے ہیں، سو ان کے آنے کا ہرگز قصد نہ کرے اور اگر بلا قصد آئیں تو انکی طرف التفات

لے مطالعہ بھی حجب ہیں، حجب نورانیہ حجب ظلمانیہ سے اشد ہیں۔ دنیا میں حق تعالیٰ کی رویت کا ادراک نہیں ہوتا نہ نظر سے نہ قلب سے۔ ہاں لطیفہ قلب کی طرف توجہ رکھنا چاہئے کیونکہ ریث میں قلب کا ذکر ہے اور اسکی طرف توجہ کا اثر یہ ہے : مَنْ صَلَّاهُ رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا۔ یعنی جس شخص نے حضور قلب سے دو رکعت نماز پڑھی سبحان حدیث کا کتنا ادب ہے کیا آج کوئی شیخ نقشبندی بھی ایسا ہے۔ غرض سالک کو حضرت عارف کے قول پر عمل کرنا چاہئے کہ کس نکتہ کو شاید حکمت میں معہ را

(استراۃ التوبہ ص ۷)